بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسری صدی ہجری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ بجستان (موجودہ افغانستان) کے فرماں روا نے جس کا خاندانی لقب رتبیل تھا، بنی اُمیّہ کے عمّال [حکومتی اہلکاروں] کو خراج دینا بند کر دیا' [مسلمان فوج کی طرف سے] پیہم چڑھائیاں کی گئیں، مگر وہ مطیع نہ ہوا۔

یزید بن عبدالملک اموی کے عہد [حکومت] میں جب اس کے پاس خراج طلب کرنے کے لیے سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمانوں کے سفرا سے دریافت کیا:

وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پچکے ہوتے تھے۔ پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔

کہا گیا کہ: ''وہ لوگ تو گزر گئے''۔

رتبیل نے کہا:

اگرچہ تمھاری صورتیں ان سے زیادہ شان دار ہیں، مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے، تم سے زیادہ طاقت ور تھے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ کہہ کر رتبیل نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک وہ اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

اگر غلبہ نصیب ہو بھی گیا تو ناقص اور عارضی ہوگا، کامل اور پائے دار نہ ہوگا۔ دل کبھی مسخر نہ ہوں گے۔ صرف گردنیں جھک جائیں گی اور وہ بھی اکڑنے کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے مستعد رہیں گی۔

کسی عمارت کا استحکام اس کے رنگ وروغن، نقش ونگار، زینت وآرائش، صحن وچمن اور ظاہری خوش نمائی سے نہیں ہوتا۔ نہ مکینوں کی کثرت، نہ سازوسامان کی افراط اور اسباب وآلات کی فراوانی اس کو مضبوط بناتی ہے۔ اگر اس کی بنیادیں کمزور ہوں، دیواریں کھوکھلی ہوں، ستونوں کو گھن لگ جائے، کڑیاں اور تختے بوسیدہ ہو جائیں تو اس کو گرنے سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی، خواہ وہ مکینوں سے خوب معمور ہو اور اس میں کروڑوں روپے کا مال واسباب بھرا پڑا ہو، اور اس کی سجاوٹ نظروں کو لبھاتی اور دلوں کو موہ لیتی ہو۔

تم صرف ظاہر کو دیکھتے ہو، تمھاری نظریں مظاہر پر اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ مگر حوادثِ زمانہ کا معاملہ نمایشی مظاہرے سے نہیں، بلکہ اندرونی حقائق سے پیش آتا ہے۔ وہ عمارت کی بنیادوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ دیواروں کی پختگی کا امتحان لیتے ہیں، ستونوں کی استواری کو جانچتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں مضبوط اور مستحکم ہوں تو زمانے کے حوادث ایسی عمارت سے ٹکرا کر پلٹ جائیں گے اور وہ ان پر غالب آجائے گی، خواہ وہ زینت وآرائش سے یکسر محروم ہو۔ ورنہ حوادث کی ٹکریں آخر کار اس کو پاش پاش کر کے رہیں گی اور وہ اپنے ساتھ مکینوں اور اسبابِ زینت کو بھی لے بیٹھے گی۔ ٹھیک یہی حال حیاتِ قومی کا بھی ہے۔

ایک قوم کو جو چیز زندہ اور طاقت ور اور سربلند بناتی ہے، وہ اس کے مکان، اس کے

لباس، اس کی سواریاں، اس کے اسبابِ عیش، اس کے فنونِ لطیفہ، اس کے کارخانے، اس کے کالج نہیں ہیں، بلکہ وہ اصول ہیں جن پر اس کی تہذیب قائم ہوتی ہے، اور پھر ان اصولوں کا دلوں میں راسخ ہونا اور اعمال پر حکمران بن جانا ہے۔ یہ تین چیزیں یعنی: اصولوں کی صحت، ان پر پختہ ایمان اور عملی زندگی پر ان کی کامل فرماں روائی ——— حیاتِ قومی میں وہی حیثیت رکھتی ہے، جو ایک عمارت میں اس کی مستحکم بنیادوں، اس کی پختہ دیواروں اور اس کے مضبوط ستونوں کی ہے۔

جس قوم میں یہ تینوں چیزیں بدرجۂ اتم موجود ہوں وہ دنیا پر غالب ہوکر رہے گی۔ خدا کی زمین میں اس کا سکہ چلے گا، دلوں میں اس کی دھاک بیٹھے گی، گردنیں اس کے حکم کے آگے جھک جائیں گی اور اس کی عزت ہوگی۔ خواہ وہ جھونپڑیوں میں رہتی ہو، پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہو، فاقوں سے اس کے پیٹ پٹخے ہوئے ہوں۔ اس کی بستیوں میں ایک بھی دھواں اڑانے والی چمنی نظر نہ آئے۔ تم جن چیزوں کو سامان سمجھ رہے ہو وہ محض عمارت کے نقش و نگار ہیں، اس کے قوائم و ارکان نہیں ہیں۔ کھوکھلی دیواروں پر اگر سونے کے پترے چڑھادو گے، تو وہ ان کو گرنے سے نہ بچاسکیں گے۔

یہی بات ہے، جس کو قرآن مجید بار بار بیان کرتا ہے۔

وہ اسلام کے اصولوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اس اٹل اور غیر متغیر فطرت کے مطابق ہیں، جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے جو دین ان اصولوں پر قائم کیا گیا ہے وہ دینِ قیّم ہے، یعنی ایسا دین جو معاش و معاد کے جملہ معاملات ٹھیک ٹھیک طریقوں پر قائم کر

دینے والا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا . فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ. ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم، ۳۰:۳۰) پس (اے نبیؐ، اور نبیؐ کے پیروو) یک سُو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

پھر وہ کہتا ہے کہ اس دینِ قیّم پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس کا نتیجہ خود بخود یہ ظاہر ہوگا کہ دنیا میں تم ہی سربلند ہو گے......تم ہی کو زمین کا وارث بنایا جائے گا، تم ہی خلعتِ خلافت سے سرفراز ہو گے:

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء، ۲۱: ۱۰۵) زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران، ۳: ۱۳۹) تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور، ۲۴: ۵۵) اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح

زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ، ۵ : ۵۶) اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کو اپنا رفیق بنالے، اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

بخلاف اس کے جو لوگ بظاہر دین کے دائرے میں داخل ہیں، مگر دین نہ تو ان کے دلوں میں بیٹھا ہے اور نہ ان کی زندگی کا قانون بنا ہے، ان کے ظاہری جثّے تو بہت شان دار نظر آتے ہیں، وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (المنفقون، ۶۳ : ۴) ۔ اور بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ، وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ (۶۳ : ۴) ۔ مگر حقیقت میں وہ لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیے گئے ہوں، كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ، (۶۳ : ۴) وہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں، جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء، ۴ : ۷۷) ۔ ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے، جیسے دشتِ بے آب میں سراب، کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا (النور، ۲۴ : ۳۹) ۔ ایسے لوگوں کو اجتماعی قوت کبھی نصیب نہیں ہو سکتی، اور وہ خلوص نیت کے ساتھ کسی کام میں اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے: [کیونکہ] یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں۔ تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں، بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر، ۵۹ : ۱۴) ۔ ان کو وہ قوت

ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، جو صرف مومنین صالحین کا حصہ ہے: یہ کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمھارا مقابلہ نہ کریں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر' لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (الحشر '۵۹ : ۱۴) ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے امامت اور پیشوائی کے بارے میں فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے' قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (البقرہ' ۲ : ۱۲۴)۔ان کے لیے بجز اس کے اور کوئی انجام نہیں کہ دنیا میں بھی ذلت وخواری اور آخرت میں عذابِ عظیم' لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o (البقرہ' ۲:۱۱۴)

آپ تعجب کریں گے کہ قرآن نے مسلمانوں کی ترقّی اور ان کے ایک حکمران جماعت بننے اور سب پر غالب آ جانے کا ذریعہ صرف ایمان و عملِ صالح کو قرار دیا اور کہیں یہ نہیں کہا کہ تم لباس، معاشرت، انداز و اطوار میں ترقی یافتہ قوموں کی نقل کرو۔ نیز اس نے تنزّل و انحطاط اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کا واحد سبب بھی نفاق کو ٹھیرایا، نہ کہ ان اسباب کے فقدان کو جنھیں آج کل دنیا اسبابِ ترقی سمجھتی ہے۔

لیکن اگر آپ قرآن کی اسپرٹ کو سمجھ لیں تو آپ کا یہ تعجب خود رفع ہو جائے گا۔

سب سے پہلی بات جس کا سمجھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ 'مسلمان' جس شے کا نام ہے اس کا قوّام بجز اسلام کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ مسلم ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت صرف اسلام سے متحقق ہوتی ہے۔ اگر وہ اس پیغام پر ایمان رکھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لائے ہیں اور ان قوانین کا اتباع کرے جن کو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے نازل کیا گیا ہے تو اس کا اسلام متحقق ہو جائے گا، خواہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے ساتھ شامل نہ ہو جو اسلام کے ماسوا ہیں۔

بخلاف اس کے اگر وہ ان تمام زیورات سے آراستہ ہو جو زینتِ حیاتِ دنیا کے قبیل سے ہیں، مگر ایمان اس کے دل میں نہ ہو اور قوانینِ اسلامی کے اتباع سے اس کی زندگی خالی ہو، تو وہ گریجویٹ ہوسکتا ہے، ڈاکٹر ہوسکتا ہے، کارخانہ دار ہوسکتا ہے، بینکر ہوسکتا ہے، جنرل یا امیر البحر ہوسکتا ہے، مگر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ پس کوئی ترقی کسی مسلمان شخص یا قوم کی ترقی نہ ہوگی، جب تک کہ سب چیزوں سے پہلے اس شخص یا قوم میں حقیقتِ اسلامی متحقق نہ ہو جائے۔ اس کے بغیر وہ ترقی خواہ کیسی ہی ترقی ہو، مسلمان کی ترقی نہ ہوگی اور ایسی ترقی ظاہر ہے کہ اسلام کا نصب العین نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک بات تو یہ ہے کہ کوئی قوم سرے سے مسلمان نہ ہو، اور اُس کے افکار و اخلاق اور نظامِ اجتماعی کی اساس اسلام کے سوا کسی اور چیز پر ہو۔ ایسی قوم کے لیے بلا شبہ یہ ممکن ہے کہ وہ ان اخلاقی، سیاسی، معاشی اور عمرانی اصولوں پر کھڑی ہو سکے جو اسلام سے مختلف ہوں اور اس منتہیٰ کو پہنچ جائے جس کو وہ اپنے نقطۂ نظر سے ترقی سمجھتی ہو۔ لیکن یہ بالکل ایک امرِ دیگر ہے کہ کسی قوم کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست کی بنیاد اسلام پر ہو، اور اسلام ہی میں وہ عقیدے اور عمل دونوں کے لحاظ سے ضعیف ہو۔ ایسی قوم مادی ترقی کے وسائل خواہ کتنی ہی کثرت اور فراوانی کے ساتھ مہیا کر لے، اس کا ایک مضبوط اور طاقت ور قوم کی حیثیت سے اٹھنا اور دنیا میں سربلند ہونا قطعاً غیر ممکن ہے۔ کیونکہ اس کی

قومیت اور اس کے اخلاق اور تہذیب کی اساس جس چیز پر ہے وہی کمزور ہے، اور اساس کی کمزوری ایسی ہے جس کی تلافی محض اوپری زینت کے سامان کبھی نہیں کر سکتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علوم وفنون اور مادی ترقی کے وسائل کی جائز اہمیت سے انکار ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان قوم کے لیے یہ تمام چیزیں ثانوی درجے پر ہیں۔ اساس کا استحکام ان سب پر مقدم ہے۔ وہ جب مستحکم ہو جائے تو مادی ترقی کے وہ تمام وسائل اختیار کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہییں، جو اس بنیاد کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ لیکن اگر وہی مضمحل ہو، دل میں اس کی جڑیں کمزور ہوں اور زندگی پر اسی کی گرفت ڈھیلی ہو، تو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے قوم کے اخلاق کا فاسد ہونا، سیرتوں کا بگڑ جانا، معاملات کا خراب ہو جانا، نظامِ اجتماعی کی بندشوں کا سست ہو جانا اور قوتوں کا پراگندہ ہو جانا ناگزیر ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ قوم کی طاقت کمزور ہو جائے اور بین الملی قوتوں کے ترازو میں اس کا پلڑا روز بروز ہلکا ہوتا چلا جائے، یہاں تک کہ دوسری قومیں اس پر غالب آ جائیں۔ ایسی حالت میں مادی اسباب کی فراوانی اور سند یافتہ فضلاء کی افراط اور خارجی زیب وزینت کی چمک دمک کسی کام نہیں آ سکتی۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ہے۔ قرآن کریم نے نہایت وثوق کے ساتھ کہا ہے: 'تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو' [آل عمران ' ۳ : ۱۳۹] ۔ اور 'اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے' [المائدہ' ۵ : ۵۶] ۔ یہ کہ: زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے [انبیاء ' ۲۱ : ۱۰۵] ۔ اس وثوق کی بنیاد کیا ہے؟ کس بنا پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ...... دوسری قومیں خواہ کیسے ہی مادی وسائل کی مالک ہوں ان پر مسلمان صرف ایمان اور عملِ

صالح کے اسلحہ سے غالب آ جائیں گے؟

اس عقیدے کو قرآن خود حل کر دیتا ہے:

لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے (الحج ۲۲: ۷۳۔ ۷۴)۔

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں، ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔ جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے (العنکبوت ۲۹: ۴۱)۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مادی طاقتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں، ان کا اعتماد دراصل ایسی چیزوں پر ہے، جو بذاتِ خود کسی قسم کی بھی قوت نہیں رکھتیں۔ ایسے بے زوروں پر اعتماد کرنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی ویسے ہی بے زور ہو جاتے ہیں، جیسے ان کے سہارے بے زور ہیں۔ وہ اپنے نزدیک جو مستحکم قلعے بناتے ہیں وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ ان میں کبھی یہ طاقت ہو ہی نہیں سکتی کہ ان لوگوں کے مقابلے میں سر اٹھا سکیں جو حقیقی قدر و عزت رکھنے والے خدا پر اعتماد کر کے اٹھیں:

جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا' اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے(البقرہ' ۲ : ۲۵۶)۔

قرآن دعوے کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ جب کبھی اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوگا تو غلبہ اہلِ ایمان ہی کو حاصل ہوگا:

یہ کافر لوگ اگر اس وقت تم سے لڑ گئے ہوتے' تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے' اور کوئی حامی و مددگار نہ پاتے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے(الفتح' ۴۸ : ۲۲.۲۳)۔

عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے' اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھیرایا ہے' جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی(آل عمران' ۳ : ۱۵۱)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے لڑتا ہے، اس کے ساتھ خدائی طاقت ہوتی ہے اور جس کے ساتھ خدائی طاقت ہو اس کے مقابلے میں کسی کا زور چل ہی نہیں سکتا:

یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے اور کافروں کا حامی و ناصر کوئی نہیں(محمد' ۴۷ : ۱۱)۔

یہ تو مومن صالح کی سطوت کا حال ہے۔ دوسری طرف یہ بھی خدا کا قانون ہے کہ جو شخص ایمان دار ہوتا ہے، جس کی سیرت پاکیزہ ہوتی ہے، جس کے اعمال نفسانیت کی

آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں، جو ہوائے نفس اور اغراضِ نفسانی کے بجائے خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتا ہے، اس کی محبت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ دل آپ ہی آپ اس کی طرف کھچنے لگتے ہیں، نگاہیں اس کی طرف احترام سے اٹھتی ہیں، معاملات میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، دوست تو دوست، دشمن اس کو صادق سمجھتے ہیں اور اس کے عدل، اس کی عفت اور اس کی وفاشعاری پر بھروسا کرتے ہیں:

یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں، عنقریب رحمان ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا (مریم، ۱۹ : ۹۶)۔

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے (ابراھیم، ۱۴ : ۲۷)۔

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے (النحل، ۱۶ : ۹۷)۔

مگر یہ سب کس چیز کے نتائج ہیں؟

محض زبان سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہنے کے نہیں، مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے اور معاشرت کے چند مخصوص اطوار اختیار کرنے اور چند گنی چُنی رسمیات ادا کر لینے کے نہیں۔ قرآن حکیم ان نتائج کے ظہور کے لیے ایمان اور عملِ صالح کی شرط لگاتا ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کی حقیقت تمھارے قلب و روح میں اس قدر جاگزیں ہو جائے کہ

تمھارے تخیّلات اورافکاراوراخلاق ومعاملات سب پراسی کا غلبہ ہو،تمھاری زندگی اسی کلمۂ طیبہ کے معنوی قالب میں ڈھل جائے، تمھارے ذہن میں کوئی ایسا خیال راہ نہ پا سکے جو اس کلمے کے معنی سے مختلف ہواورتم سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جواس کلمہ کے [تقاضوں] کے خلاف ہو۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کوزبان سے ادا کرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تمھاری زندگی میں اس کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ تمھاری رگ رگ میں تقویٰ کی روح سرایت کر جائے۔ اللہ کے سوا تمھارا ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلے۔ اللہ کے سوا کسی کا خوف تمھارے دل میں نہ رہے۔ تمھاری محبت اور تمھارا بُغض، اللہ کے سوا کسی اور کے لیے نہ ہو۔ اللہ کے قانون کے سوا تمھاری زندگی پر کسی اور کا قانون نافذ نہ ہو۔ تم اپنے نفس اور اس کی ساری خواہشوں اور اس کے تمام مرغوبات اور محبوبات کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دینے کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلے میں تمھارے پاس سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا [النساء ۴ : ۴۶] کے سوا کوئی اور قول وفعل نہ ہو۔

جب ایسا ہوگا تو تمھاری قوت صرف تمھارے اپنے نفس اور جسم کی قوت نہ ہوگی، بلکہ اس احکم الحاکمین کی قوت ہوگی، جس کے آگے زمین وآسمان کی ہر چیز طوعاً وکرہاً سربسجود ہے، اور تمھاری ذات اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [النور ۲۴ : ۳۵] کے جلووں سے معمور ہوجائے گی، جو تمام عالم کا حقیقی محبوب ومعشوق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں یہی چیز مسلمانوں کو حاصل

تھی۔ پھر اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا' تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ اس زمانے میں جس نے لآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کہا اس کی کایا پلٹ گئی۔ مس خام سے یکا یک وہ کندن بن گیا۔ اس کی ذات میں وہ کشش پیدا ہوئی کہ دل اس کی طرف کھنچنے لگے۔ اس پر جس کی نظر پڑتی وہ محسوس کرتا کہ گویا تقویٰ اور پاکیزگی اور صداقت کو مجسم دیکھ رہا ہے۔

وہ اَن پڑھ، مفلس، فاقہ کش، پشمینہ پوش اور بوریا نشین ہوتا، مگر پھر بھی اس کی ہیبت دلوں میں ایسی بیٹھتی کہ بڑے بڑے شان وشوکت والے فرماں رواؤں کو نصیب نہ تھی۔ ایک مسلمان کا وجود گویا ایک چراغ تھا، کہ جدھر وہ جاتا اس کی روشنی اطراف واکناف میں پھیل جاتی اور اس چراغ سے سیکڑوں' ہزاروں چراغ روشن ہو جاتے۔ پھر جو اس روشنی کو قبول نہ کرتا اور اس سے ٹکرانے کی جرأت کرتا تو اس کو جلانے اور فنا کر دینے کی قوت بھی اس میں موجود تھی۔ ایسی ہی قوتِ ایمانی اور طاقت وسیرت رکھنے والے مسلمان تھے کہ جب وہ ساڑھے تین سو سے زیادہ نہ تھے تو انھوں نے تمام عرب کو مقابلے کا چیلنج دے دیا، اور جب وہ چند لاکھ کی تعداد کو پہنچے تو ساری دنیا کو مسخر کر لینے کے عزم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جو قوت ان کے مقابلے پر آئی پاش پاش ہوگئی۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے مسلمان کی اصلی طاقت یہی ایمان اور سیرتِ صالحہ کی طاقت ہے، جو صرف ایک لآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کی حقیقت دل میں بیٹھ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقت دل میں جا گزیں نہ ہو، محض زبان پر یہ الفاظ جاری ہوں، مگر ذہنیت اور عملی زندگی میں کوئی انقلاب برپا نہ ہو۔ لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی انسان وہی کا وہی رہے جو اس سے پہلے تھا اور اس میں، اور لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکار کرنے والوں میں اخلاقی و

عملی حیثیت سے کوئی فرق نہ ہو، وہ بھی انھی کی طرح غیر اللہ کے آگے گردن جھکائے اور ہاتھ پھیلائے، انھی کی طرح غیرِ خدا سے ڈرے اور غیرِ خدا کی رضا چاہے اور غیرِ خدا کی محبت میں گرفتار ہو، انھی کی طرح ہوائے نفس کا بندہ ہو اور قانونِ الٰہی کو چھوڑ کر انسانی قوانین یا اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے، اس کے خیالات اور ارادوں اور نیتوں میں بھی وہی گندگی ہو جو ایک غیر مومن کے خیالات، ارادات اور نیّات [نیّتوں] میں ہوسکتی ہے اور اس کے اقوال و افعال و معاملات بھی ویسے ہی ہوں جیسے ایک غیر مومن کے ہوتے ہیں تو پھر مسلمان کو نامسلمان پر فوقیت کس بنا پر ہو؟ روحِ ایمان اور روحِ تقویٰ نہ ہونے کی صورت میں ایک مسلمان ویسا ہی ایک بشر تو ہے جیسا ایک نامسلمان ہے۔ اس کے بعد مسلم اور غیر مسلم کا مقابلہ صرف جسمانی طاقت اور مادی وسائل کے اعتبار سے ہوگا، اور اس مقابلے میں جو طاقت ور ہوگا وہ کمزور پر غالب آجائے گا۔

ان دونوں حالتوں کا فرق تاریخ کے اوراق میں اتنا نمایاں ہے کہ ایک نظر میں دیکھا جاسکتا ہے، یا تو مٹھی بھر مسلمانوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دیے تھے اور اٹک کے کنارے سے لے کر اٹلانٹک کے سواحل تک اسلام پھیلا دیا تھا۔ یا اب کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور غیر مسلم طاقتوں سے دبے ہوئے ہیں۔ جن آبادیوں میں کروڑوں مسلمان بستے ہیں اور ان کو بسے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں، وہاں اب بھی کفر و شرک موجود ہے۔ [تدوین : س م خ]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے
جو انسانی زندگی کے ہر میدان کے لیے واضح ہدایات اور رہنمائی رکھتا ہے
اسے سمجھنے کے لیے پڑھیے

اسلامی نظام زندگی

ـــــــ اور اس کے بنیادی تصورات

قیمت: ۱۱۰ روپے

تہذیب وتمدن کی تشکیل کے لیے اسلام کی بنیادی ہدایات
غیر اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی زندگی کے معاملات سے آگاہی دیتی ہے

اسلامی تہذیب

اور اس کے اصول ومبادی

قیمت: ۹۰ روپے

اسلامک پبلی کیشنز

۳- کورٹ سٹریٹ، لوئر مال، لاہور- فون: ۷۲۴۸۶۷۶